دَورِ نَو کا چیلنج اور نوجوان

(ایک تقریر جو ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے سالانہ اجتماع میں کی گئی تھی)

میرے عزیز نوجوانو،

اسلامی جمعیت طلبہ کے اس اجتماع میں شریک ہو کر میں دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے جب آج سے ۲۸ سال پہلے چند نوجوانوں نے اس جمعیت کی ابتدا کی تھی۔ اُس وقت کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ جمعیت اِس ملک میں ایک بڑی اور فیصلہ کُن طاقت بن جائے گی۔ ایک مدت دراز تک مایوسی کی سی کیفیت طاری رہی کہ یہ جمعیت آگے بڑھ بھی سکے گی یا نہیں۔ لیکن یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، اس کی تائید تھی، اس کی رحمت تھی کہ اُس نے جمعیت کے نوجوانوں کے خلوص کو قبول فرمایا، ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائی، ان کو ہمت اور طاقت بخشی اور آج یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ اس ملک کی درس گاہوں کی عظیم اکثریت میں جمعیت طلبہ ہی بار بار جیت رہی ہے اور انتخابات اِس بات کا پتہ دے رہے ہیں کہ ملک کے نوجوانوں کی اکثریت اُس تحریک سے متاثر ہے جس کو لے کر جمعیت طلبہ چل رہی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مزید خلوص عطا فرمائے، مزید طاقت بخشے، اپنی تائید اور اپنی رحمت سے مزید نوازے اور آپ لوگوں کی کوششوں سے اِس ملک کی نئی نسل بے دینی اور الحاد اور بداخلاقی کی راہوں سے ہٹ کر راست بازی اور خدا پرستی اور تقویٰ کی راہوں پر چلنے لگے اور اُس کے ہاتھوں یہاں اسلامی نظامِ زندگی قائم ہو۔

اس اجتماع کے لیے میری تقریر کا جو موضوع تجویز کیا گیا ہے، وہ ہے "دَورِ نَو کا چیلنج اور نوجوان"۔

"دَورِ نَو" کیا چیز ہے اس معاملے میں سب سے پہلے آپ اس بات پر غور کیجیے کہ یہ "دَورِ نَو" کیا چیز ہے؟ انسان نے ہر زمانے میں اپنے دَور کو دَورِ نَو سمجھا اور یہ خیال کیا کہ پہلے دَور، دَورِ کُہن تھے جن میں کوئی خوبی نہ تھی، لوگ جہالت اور دقیانوسیت میں مبتلا تھے، اور اب ہم دَورِ نَو کے لوگ روشن خیال ہیں، علوم و

فنون سے آراستہ ہیں اور ہمارے پاس وہ چیزیں ہیں جو پہلے لوگوں کو نصیب نہ تھیں۔ ہر زمانے میں انسان اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا ہے۔ حالانکہ اگر علمی انکشافات اور فنی ترقیات کو، جن کے دروازے اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ انسان کے لیے کھولے ہیں، چھوڑ کر دیکھا جائے تو انسان آدم علیہ السّلام کے وقت سے لے کر آج تک وہی رہا ہے جو تھا۔ اس کے ذہن کی ساخت وہی رہی ہے، اس کی دماغی صلاحیتیں وہی رہی ہیں، اس کے نفس کی خواہشات وہی رہی ہیں، اس کے جسم کے مطالبات وہی رہے ہیں، اس کے سوچنے کے انداز وہی رہے ہیں، اُن میں کبھی کوئی بنیادی فرق واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ انسان کی تخلیق جس ساخت پر ہوئی ہے وہ آج بھی وہی ہے جو آدم علیہ السّلام کی پیدائش کے وقت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے چار ہزار برس پہلے مثلاً قومِ لوط جس بُرائی میں مبتلا تھی، آج چار ہزار برس بعد امریکہ جیسا اعلیٰ ترقی یافتہ ملک، جس کا دعویٰ ہے کہ اس سے زیادہ ترقی یافتہ ملک دنیا میں کوئی نہیں، اس کے اندر قومِ لوط کے وارثوں کی تعداد دو کروڑ تک بتائی جاتی ہے۔ اِن سینکڑوں صدیوں میں آخر کیا فرق واقع ہوا ہے؟ اسی طرح سے قدیم زمانے میں اگر فرعون نے اپنے وزیر سے یہ کہا تھا کہ ذرا میرے لیے ایک اُونچی عمارت تو بنا دے تاکہ میں اُوپر چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ یہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے؟ کون ہے؟ کیسا ہے؟ اس پر ساڑھے تین ہزار سال گزر جانے کے بعد جب روس کا اسپوتنک ڈیڑھ دو سو میل زمین سے اُوپر گیا تو خروشیف صاحب بول اُٹھے کہ ہم اُوپر تک دیکھ آئے ہیں، کہیں خدا کا پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوا کہ اِس ساڑھے تین ہزار برس کی طویل مدت میں انسان کی ذہنیت کے اندر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، اس کے سوچنے کے انداز میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، فرق اگر ہوا ہے تو بس یہ کہ فرعون زیادہ سے زیادہ ایک اُونچی عمارت ہی اس مقصد کے لیے بنا سکتا تھا اور آج کے مُنکرین اسپوتنک بنا کر خلا میں چلے گئے۔ یعنی یہ ٹیکنالوجی کی ترقی ہے، ذہنی اعتبار سے کوئی ترقی نہیں ہے۔ دہریے جس طرح قدیم ترین زمانے میں پائے جاتے تھے آج بھی پائے جاتے ہیں۔ فسق کے علم بردار اور فجور کے بدترین مرتکبین جس طرح قدیم ترین زمانے میں موجود تھے اُسی طرح آج کے زمانے میں بھی موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے فسق و فجور کی نوعیت تک نہیں بدلی ہے۔ اور اِسی طرح حق کے جاننے اور ماننے والے اور اُس کے لیے کوشش کرنے والے بھی جس طرح حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں موجود تھے آج کے زمانے میں بھی موجود ہیں۔ نیکی بھی وہی ہے اور بدی بھی وہی۔ انسان کے ذرائع اور وسائل کی ترقی سے، اُس کے علمی انکشافات سے، اور اُن انکشافات کو زندگی میں استعمال کرنے کی وجہ سے اگر کوئی فرق واقع ہوا ہے تو وہ ایک فنّی فرق ہے۔ اصلی اور بنیادی اور جوہری

فرق نہیں ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیے کہ ہر دور کے لوگوں نے اپنے دور کی ترقی کو انسانی ترقی کا حرفِ آخر سمجھا لیکن تھوڑی مدت بھی نہ گذری تھی کہ ہر دورِ نو دورِ کہن بن کے رہ گیا اور بعد کے دور میں آنے والے پھر اُسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے جس میں پہلے دور کے لوگ تھے۔ پچھلی صدی کے آخر تک بعض ایسے سائنسدان اور فلسفی موجود تھے جو کہتے تھے کہ لوہے کی گاڑی، یا کوئی ایسی چیز جو ہوا سے زیادہ بھاری ہو، آسمان پہ ہواؤں میں نہیں اُڑ سکتی۔ ان کے نزدیک ایسا ہونا غیر ممکن تھا۔ مگر کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ بیسویں صدی کی پہلی ہی دہائی میں لوہے کی بنی ہوئی گاڑیاں ہوا میں اُڑیں اور معلوم ہو گیا کہ وہ دقیانوسی لوگ تھے جو ۱۰،۱۵ برس پہلے تک یہ خیال کرتے تھے کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے۔ تو یہ ہے دورِ نو کی حقیقت۔ ہر زمانے میں آدمی نے یہ سمجھا کہ ہم ترقی کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں، لیکن بعد میں مزید راستے کھلتے گئے، مزید ترقیاں ہوتی رہیں اور پہلا دور دورِ کہن بن کر رہ گیا۔ فلسفہ جس مقام پر اس صدی کی ابتدا میں تھا آج وہ اُس مقام پر نہیں ہے۔ سائنس کی بھی یہی حالت ہے۔ اِس صدی کے آغاز میں اُس کی جو کیفیت تھی وہ آج نہیں ہے۔ اور اِسی طرح اخلاق میں جن عریانیوں اور فحش کاریوں کو اس صدی کی ابتداء میں آزادی کی انتہا سمجھا جاتا تھا، آج وہ دقیانوسیت سمجھی جارہی ہیں۔

نوجوان سے کیا مراد ہے

دورِ نو کی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اب یہ دیکھیے کہ "نوجوان" سے کیا مراد ہے۔

نوجوان بجائے خود نہ خیرِ مجسّم ہے نہ شرِّ مجسم۔ وہ تو نام ہے گرم خون کا، وہ نام ہے نئی نئی چیزوں کو اخذ کرنے کی صلاحیت کا، وہ نام ہے ایسی ہستی کا جو اگر کسی چیز کے متعلق مطمئن ہو جائے کہ یہ حصول کی کوشش کرنے کے قابل ہے تو وہ اس کے لیے جان لڑا دے قطعِ نظر اس سے کہ وہ بُرائی ہو یا بھلائی۔ اُس کی طاقت کی مثال تلوار کی کاٹ جیسی ہے کہ وہ مجاہد کے کام بھی آتی ہے اور ڈاکو کے کام بھی۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک بُرائیوں کے علمبردار بھی نوجوان ہی بنتے رہے ہیں اور بھلائی کے علمبرداروں کی فوج بھی وہی بنے ہیں۔ نیکی ہو یا بدی، اُس کو قبول کرنے میں وہ بوڑھے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ تیز ہوتے ہیں۔ یہ حالت ہر زمانے میں یکساں رہی ہے۔ آج دنیا میں جو اخلاقی بُرائیاں پھیل رہی ہیں، اُن کو سب سے بڑھ کر نوجوانوں نے قبول کیا ہے، اُنہیں سب سے بڑھ کر وہی پھیلا رہے ہیں اور اُن کے اندر نئی سے نئی بدعنوانیاں بھی وہی ایجاد

کر رہے ہیں۔ پس نوجوان کسی خیرِ مجسم کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح نوجوان شرِّ مجسم کا نام بھی نہیں ہے۔ وہ اگر بھلائی کی طرف راغب ہو اور اُس کے بھلائی ہونے پر مطمئن ہو جائے تو اس کے لیے جان لڑا دینے اور ہر طاقت سے ٹکرا جانے کی ہمت بھی اُسی میں ہوتی ہے، اور اُس کو علم و عمل سے فروغ دینے میں بھی اُسی کی صلاحیتیں سرگرم ہو جاتی ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی مثال | مصر کی تہذیب کو دیکھیے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کے زمانے میں اُس کا جو حال تھا وہ آج کے امریکہ اور یورپ کی تہذیب سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ لیکن ایک تنہا نوجوان (حضرت یوسفؑ) نے اُس کی ساری گمراہیوں اور بدکرداریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اُس کی ہر تحریص و ترغیب کو ٹھکرا دیا، اپنے کردار کی بلندی کا لوہا اُن روشن خیال بیگمات تک سے منوا لیا جو انہیں دعوتِ عیش دینے کے لیے اپنی آغوش کھولے دے رہی تھیں، اور جیل کی کوٹھڑی تک میں مصر کے جھوٹے خداؤں کی تردید اور خداوندِ عالم کی توحید کا وعظ کہا۔ محض اپنے اخلاق، اپنے علم اور اپنی ذہانت کی طاقت سے کسی فوج کے بغیر انہوں نے پورے ملک کو فتح کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ زمین کے خزانے میرے حوالے کرو، اور جس کے ہاتھ میں زمین کے خزانے تھے اس نے بلا تامّل کہا کہ یہ حاضر ہیں۔ آپ ہی وہ امانت دار شخص ہیں جس کے سپرد یہ خزانے کیے جا سکتے ہیں۔

عہدِ رسالت کی مثال | رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں آپ دیکھیں گے کہ جب حضورؐ اسلام کی دعوت لے کر اُٹھے اور مکّے کے بڑے بڑے سردار آپ کی مخالفت پر تُل گئے تو حق اور باطل دونوں طرف جانیں لڑانے والے زیادہ تر نوجوان ہی تھے۔ ایک طرف کفر نوجوان تھے جو اپنے بڑوں کے اُکسانے پر حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا رہے تھے اور ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھا رہے تھے۔ حضرت بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹنے والے آخر کون تھے؟ مکّے کے نوجوان ہی تو تھے جنہوں نے بوڑھوں کی انگیخت پر یہ غلط راستہ اختیار کیا تھا۔ لیکن دوسری طرف حق کے حامی بھی اُسی مکّے کے نوجوان تھے جنہوں نے حضورؐ کی پیش کردہ صداقت کو خلوص کے ساتھ قبول کیا اور اس کے لیے سرفروشی کی انتہا کر دی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ابتدائی ساتھیوں کی فہرست اُٹھا کر دیکھیے، صرف چند ہی اصحاب تھے جن کی عمر حضورؐ کی عمر سے زیادہ تھی۔ باقی جتنے تھے سب آپؐ سے کم عمر کے تھے کوئی دس برس کا تھا تو کوئی پندرہ برس کا۔ کوئی اٹھارہ برس کا تھا تو کوئی ۲۰، ۲۱ سال کا۔ زیادہ سے زیادہ عمر ۳۰ اور ۳۸ برس کے درمیان تھی۔ اور یہی لوگ تھے جو بے دھڑک آتشِ نمرود میں کود گئے۔ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ سامنے ظلم کی بھٹی سلگ رہی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس وقت

اسلام قبول کرنے کے معنی درندوں کو دعوت دے دینے کے ہیں کہ آؤ اور ہمیں بھنبھوڑ ڈالو۔ اس کے باوجود انہوں نے اُٹھ کر اعلان کر دیا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ - انہوں نے اس بات کی قطعاً پروا نہ کی کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ ہر ظلم سہا۔ ہر مصیبت بھگتی۔ مکے میں کام کرنا مشکل ہو گیا تو ملک، وطن، گھر بار، اعزا اقربا سب کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ کچھ نہ سوچا کہ دوسری جگہ جائیں گے تو ہمارا حال کیا ہو گا۔ حق کے لیے اس طرح قربانیاں کرنے والے بھی نوجوان ہی تھے۔ اُن میں عورتیں بھی نوجوان تھیں اور مرد بھی نوجوان، اور یہ سب اُن گھروں کے چشم و چراغ تھے جن کے سردھرے اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ انہی لوگوں کی قربانیوں سے آخر کار اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند ہوا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ساتھ دے کر انہوں نے ایک ایسا انقلاب عظیم برپا کیا جو صدیوں تک برپا رہا، آج بھی برپا ہے، اور انشاء اللہ قیامت تک برپا رہے گا۔

جدید سائنس اب ذرا اس دَورِ نو کو دیکھیے جس کے متعلق بڑے فخر کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ یہ ترقی کا دَور ہے اور یہ روشن خیالی کا دَور ہے۔ اِس دَور کی سب سے زیادہ مایۂ ناز ترقی سائنس کی ترقی ہے جو قابلِ قدر ہونے کے باوجود انسان کی بھلائی سے بڑھ کر اس کی تباہی و بربادی کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس میں پوری پوری قوموں کو فنا کر دینے کے لیے ایک سے ایک خطرناک ہتھیار ایجاد کیے جا رہے ہیں۔ انسان کو اذیت دینے اور اس کی شخصیت کو مسخ کر دینے کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کی جا رہی ہیں جو شیطنت کی تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ جاسوسی کے ایسے ایسے طریقے نکالے جا رہے ہیں جنہوں نے آدمی کے لیے نجی زندگی کے کوئی معنی نہیں چھوڑے ہیں۔ انسانوں کی پیدائش کے لیے ایسے طریقے سوچے جا رہے ہیں کہ ماں اور باپ کے فطری تعلق کے بغیر سائنس کی کارگاہوں (LABORATORIES) میں بچے پیدا کیے جائیں جن کا کوئی خاندان نہ ہو، جن کو کسی دوسرے انسان سے کوئی فطری لگاؤ نہ ہو، جن کے پیچھے کوئی روایات نہ ہوں۔ جن کے بنانے والے کارخانے منڈی کی مانگ کے مطابق ہر شکل و صورت، ہر صفت اور ہر صلاحیت کے آدمی تیار کریں اور خریدار اشخاص یا اداروں اور حکومتوں کے ہاتھ تھوک کے حساب سے بیچ دیں۔ ذلّت کی اس انتہا تک پہنچنا چاہتی ہے بے خدا سائنسدانوں کی یہ طغیانی جو غلامی کا ایک نیا اور ہمیشہ سے بدتر دَور شروع کرنے والی ہے، جس میں انسان بھیڑ بکریوں کے مقام تک گر جائے گا، بلکہ انسانیت دشمن حکومتوں کے لیے بھیڑ بکریوں سے بدتر آدمی فرمائش کے مطابق تیار کیے جائیں گے۔ یہ ہے وہ سائنس جس پر فخر کیا جا رہا

ہے کہ اس نے ہمیں آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ حالانکہ فی الواقع اس نے جتنا انسان کو بلند کیا ہے اتنا ہی اس کو پست بھی کر دیا ہے۔ جتنا انسان کی بھلائی کا کام کیا ہے اس سے بہت زیادہ اس کی خرابی اور اس کی تباہی کا کام کیا ہے۔

جدید فلسفے | اسی طرح آج کے فلسفوں کو دیکھیے۔ عقلیت کے لمبے چوڑے دعووں کے ساتھ بڑی شاندار اصطلاحوں میں اپنے نظریات پیش کرتے ہیں، لیکن بیان و استدلال کے ظاہری فرق کو چھوڑ کر نتائج کے اعتبار سے یہ سب اُنہی گمراہیوں میں مبتلا ہیں جن میں قدیم زمانوں کے لوگ بھٹکتے رہے ہیں۔

انسان کے متعلق ان لوگوں کا تصوّر یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر جانور ہے اور جانوروں ہی سے ترقی کرتا ہوا موجودہ حالت پر آیا ہے۔ اب جو انسان اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ کل میرے باپ دادا بندر یا گوریلے تھے اور آج ارتقا کی بدولت میں انسانیت کے مقام پر پہنچا ہوں، وہ لامحالہ اپنی زندگی کا پروگرام جانوروں ہی کی زندگی میں تلاش کرے گا۔ چنانچہ آج کی سوشیالوجی میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ جانوروں کی زندگی پر قیاس کر کے یہ رائے قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ فطرت کیا ہے۔ حالانکہ انسان کی فطرت اور جانور کی فطرت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک طرف اسلام ہے جو انسان کو بتاتا ہے کہ اُسے زمین پر خدا نے اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ دوسری طرف موجودہ زمانے کا فلسفہ اور سائنس ہے جو انسان کو بتاتا ہے کہ تو جانوروں سے ترقی کرتا ہوا آیا ہے اور بنیادی طور پر تیرے اور جانور کے درمیان اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ تیرا قد سیدھا ہو گیا ہے اور تیرے ہاتھ پاؤں ایسے بن گئے ہیں کہ ان سے تو وہ کام کر سکتا ہے جو جانور نہیں کر سکتے۔ یہی جانوریّت کا تصوّر ہے جس کی بدولت انسان کا نقطۂ نظر آج وہی ہوتا جا رہا ہے جو ڈیڑھ ہزار برس پہلے مَزدَک نے پیش کیا تھا۔ اس نے بھی زن، زر، زمین تینوں میں سب لوگوں کو مشترک قرار دیا تھا۔ آج بھی اُسی طرح ان کو مشترک قرار دینے کے تصوّرات لوگوں میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ زن کے بارے میں جو تصوّر مزدک نے پیش کیا تھا آج آپ یورپ اور امریکہ میں جا کر دیکھ لیجیے کہ وہ تصور جوں کا توں پایا ہی نہیں جاتا، عمل میں بھی لایا جا رہا ہے، بلکہ اپنے آپ کو جانور سمجھنے والے بالکل جانوروں کی طرح علی الاعلان جنسی اختلاط کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مرد و عورت کے تعلق میں حلال و حرام کے امتیاز کی کوئی وجہ نہیں، خواہ مرد بیٹا ہو اور عورت ماں، خواہ مرد بھائی ہو اور عورت بہن، خواہ مرد باپ ہو اور عورت بیٹی۔ بہن اور بھائی، چچا اور بھتیجی، ماموں اور بھانجی کے جنسی تعلقات تو اب اُس معاشرے

میں بڑی کثرت سے رائج ہو رہے ہیں، باپ اور بیٹی کے تعلقات بھی کچھ زیادہ نادر نہیں رہے، لیکن اب نوبت یہاں تک پہنچ رہی ہے کہ ماں اور بیٹے کے رشتے کا تقدّس بھی ختم ہونے لگا ہے۔ اتنی ذلیل سطح تک انسان کو گرا دیا گیا ہے جس کا کبھی تصوّر کرنا شریف آدمی کے لیے ممکن نہ تھا۔ اور افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں بھی اب وہ لوگ سر اٹھا رہے ہیں جو اس ناپاک تہذیب کو یہاں درآمد کرنا چاہتے ہیں۔ وہی تمام سوچنے کے انداز یہاں پیدا کیے جا رہے ہیں اور اُن کی پیدا کی ہوئی اخلاقی برائیاں اُسی راستے پر چل پڑی ہیں جس کی آخری منزل امریکہ اور یورپ میں دیکھی جا رہی ہے۔ اگر اس رفتار کو روکنے کی کوشش نہ کی گئی اور اس اخلاقی تصوّر کو بدلا نہ گیا تو کچھ بعید نہیں کہ آپ اپنی آنکھوں سے اس ملک میں بھی حیوان صفت لوگوں کو وہی حرکتیں کرتے دیکھ لیں جو یورپ اور امریکہ میں آج ہو رہی ہیں۔

کمیونزم اور سوشلزم بڑا ناز کیا جاتا ہے اِس بات پر کہ کمیونزم اور سوشلزم کا فلسفہ، جسے مارکس نے پیش کیا اور لینن نے پروان چڑھایا، ایک ترقی پسندانہ فلسفہ ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ رجعت پسندی ہے۔ لیکن اُس کے چہرے پر سے نقاب اُتار کر دیکھیے تو نظر آتا ہے کہ یہ ترقی دراصل اُس رہی سہی کسر کو بھی پورا کر دیتی ہے جو قیصریت اور سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کے اندر انسان کو انسان کا بےبس غلام بنانے میں رہ گئی تھی۔ پہلے جو وسائلِ معیشت بہت سے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں اور زمینداروں کے درمیان بٹے ہوئے تھے اور تقسیمِ معاش کے جو ذرائع مختلف کثیر التعداد لوگوں کے ہاتھوں میں تھے اب کمیونسٹ نظام میں وہ سب چند اشخاص کے قبضے میں آجاتے ہیں، اور اُنہی چند اشخاص کے قبضے میں فوج، پولیس، عدالت، جیل اور قانون سازی کے وہ سارے اختیارات بھی جمع ہو جاتے ہیں جو پہلے زاروں اور قیصروں کے ہاتھ میں تھے۔ کوئی شخص اُن کے مقابلے میں دم مارنا تو درکنار، سوچنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کسی شخص پر ان کو ادنیٰ سا شبہ بھی ہو جائے کہ یہ ہمارے نظریات کے خلاف ہے تو سیاسی پولیس کے عذاب خانوں میں ناقابلِ بیان اذیتیں دے کر بدترین جرائم کا اعتراف اُس سے کرایا جاتا ہے۔ پھر عدالت کا ڈراما کر کے اسے سخت ترین سزائیں دی جاتی ہیں، اور وہ غریب کچھ زیادہ پڑھا لکھا ہو تو اسے پاگل خانے بھیج دیا جاتا ہے۔ کیونکہ کمیونسٹ نظام کے حکمرانوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان کے نظریات سے مختلف طرز پر سوچنے والا آدمی لامحالہ پاگل ہی ہو سکتا ہے۔ اِس نظام میں، خواہ اِس کا نام سوشلسٹ ہو یا کمیونسٹ، انسان کے لیے کوئی آزادی نہیں ہے۔ انسان کسی زمانے میں ایسا بےبس غلام نہیں ہوا تھا جیسا اِس نظام میں ہوا ہے۔ سوشلزم اور کمیونزم میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ

ایک زبردستی اپنا نظام قائم کرتا ہے اور دوسرا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جمہوریت کے راستے سے آنا چاہتا ہے۔ لیکن مقصود دونوں کا ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ذرائع پیداوار کو حکومت کی ملکیت میں دے دیا جائے اور وہی ذرائع زندگی کو تقسیم کرنے والی بھی ہو۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حکومت کانسٹیبلوں اور کلرکوں کا نام نہیں ہے۔ حکومت تو اُن لوگوں کا نام ہے جو مرکز میں بیٹھ کر پوری قومی زندگی کی پلاننگ کرتے ہیں اور اس پلاننگ کو نافذ کرنے کے لیے حاکمانہ اختیارات استعمال کرتے ہیں۔ اس غرض کے لیے خواہ وہ خونی انقلاب کے راستے آئیں یا جمہوریت کے راستے، ڈکٹیٹرشپ بہرحال قائم ہو کر رہتی ہے اور یہ وہ ڈکٹیٹرشپ ہے جو دنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں پائی گئی۔ شیطان بڑے بڑے فرعون اُٹھا کر لایا، بڑے بڑے نمرود اس نے تیار کیے، لیکن اب جو فرعون اور نمرود اشتراکی ممالک میں فرمانروا ہیں ان کے آگے پچھلے زمانے کے سب فرعون اور نمرود گرد ہو گئے ہیں۔ ہماری یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ اِس آزمائے ہوئے نظام کو، جس کی ساری فتنہ سامانیاں کھل کر سامنے آچکی ہیں، اس ملک میں نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو اسلام کے نام پہ بنایا گیا تھا، اور مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ تو اسلامی سوشلزم ہے جسے ہم یہاں لانا چاہتے ہیں۔ گویا ان لوگوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ سارا ملک جاہلوں سے آباد ہے جو اِن کے اس فریب کو سمجھ نہ سکیں گے۔

جمہوریت کے بھیس میں آمریت پھر آپ ذرا یہ بھی دیکھیے۔ قدیم زمانے میں بڑے بڑے فراعنہ گزرے ہیں۔ بڑے بڑے جبّار گزر چکے ہیں۔ کوئی ایسا کام نہیں جو پُرانے زمانے کے جبار کرتے تھے اور آج کے جبار نہ کرتے ہوں۔ لیکن قدیم زمانے کی جباری ایک کھُلی اور بے نقاب جباری تھی۔ وہ جمہوریت کا فریب دے کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کرتی تھی کہ وہ عوام کی مرضی سے برسرِاقتدار آئی ہے اور انہی کی مرضی سے حکومت کر رہی ہے۔ اِس کے برعکس آج کی جباری انتخابات کا ڈھونگ رچا کر زبردستی اقتدار پر قبضہ کرتی ہے، اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر جمہوریت کے نام سے ڈکٹیٹرشپ چلاتی ہے۔ ظاہری شکل میں صنم جمہوریت کا ہوتا ہے اور اندر آمریت کا شیطان داخل کر دیا جاتا ہے۔ زبردستی انتخابات جیتنے کے فن کو اتنا مکمل کر دیا گیا ہے کہ اب اِس بات کا کوئی امکان باقی نہیں رہا کہ حکومت اپنے مقابلے میں کسی کو جیتنے دے۔ یہ حقیقت میں فرعون اور نمرود کے دَور کی طرف واپسی ہے۔ البتہ اِس دَورِ جدید کی ترقی یہ ہے کہ آج کے جمہوری صدر، یا وزیرِاعظم یا قائدِعوام آمریت کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں وہ کبھی کسی فرعون اور نمرود کے خواب وخیال میں بھی نہ آئے تھے۔

اس دَور کا چیلنج کیا ہے یہ ہے وہ دَورِ نو جس کے متعلق آپ مجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اِس کا چیلنج کیا ہے اور اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ میں نے اختصار کے ساتھ اس کے مختلف پہلوؤں پر اس لیے روشنی ڈالی ہے کہ آپ اس کے چیلنج کی نوعیت اچھی طرح سمجھ لیں، اور یہ بھی جان لیں کہ یہ کن نوجوانوں کو کس قسم کا چیلنج دے رہا ہے۔

شر پسندوں کے لیے اس کا چیلنج ایک قسم کے نوجوان وہ ہیں جو اس دَور کے ہر فتنے اور اس کی ہر خرابی اور اس کی ہر شیطنت کو دل و جان سے قبول کرنے والے ہیں اور اُن فائدوں اور لذتوں کے لالچ میں مبتلا ہیں جو یہ دور اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ ان کے لیے اس کا چیلنج یہ ہے کہ کون گمراہی اور بدراہی میں دوسروں سے بازی لے جاتا ہے اور کون ہے جو مفسدوں کا مُقتدِی ہونے کے بجائے امام المفسدین بن کر اُٹھتا ہے۔

خیر پسندوں کے لیے اس کا چیلنج دوسری قسم کے نوجوان وہ ہیں جو بُرائی کے بجائے بھلائی چاہنے والے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے دین کے ماننے والے ہیں۔ جنہیں مومن و مسلم ہونے کی حیثیت سے یہ احساس ہے کہ جوانی کی جو طاقت انہیں دی گئی ہے اس کا حساب انہیں ایک دن اپنے خدا کو دینا ہوگا۔ ایسے نوجوانوں کو یہ دَور پکار پکار کر چیلنج دے رہا ہے کہ کون ہے جو گمراہی کے مقابلے میں اُٹھ کر اُس کے پھیلنے کو روکے اور اُس کی جگہ ہدایت کو فروغ دے۔ کون ہے جو سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کا رُخ انسانیت کی تباہی کے راستے سے فلاحِ انسانیت کے راستے کی طرف موڑ دے۔ کون ہے جو اسلامی نظامِ فکر کو لے کر اُٹھے اور اُن فلسفوں کو شکست دے جو انسان کو جانور بنانے والے ہیں۔ کون ایسا حکیم ہے جو آج کی مُرَدکیّت اور اشتراکیت کے مقابلے میں اسلام کے صالح نظامِ زندگی کو غالب کر دے۔ کون ایسا مجاہد ہے جو ظلم و جبر کی فرمانروائی کا زور توڑ دے اور اس کی جگہ عدل و انصاف کی حکمرانی قائم کرے۔ اور کون ایسا مُصلحِ اخلاق ہے جو نسلِ آدم کو اسفل السافلین میں گرنے سے بچائے۔ یہ ہے دَورِ نو کا چیلنج جو وہ مومن نوجوانوں کو دے رہا ہے۔

اس کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے اس چیلنج کے مقابلے کا عزم اگر آپ رکھتے ہیں تو لامحالہ دو چیزیں آپ کے لیے ضروری ہیں۔

ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیم میں جو ہدایت پائی جاتی ہے اس کو آپ اچھی طرح سمجھیں، سچے دل سے اس کو قبول کریں اور اپنی زندگی کا نصب العین یہ بنا لیں کہ اس ہدایت کو دنیا پر غالب کرنا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور سب کلمے اس کے آگے پست ہو جائیں۔

دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ آپ کے پاس اخلاق کی وہ طاقت ہو جس سے گمراہی پھیلانے والے آخرکار شکست کھا جائیں اور گمراہوں کی پیروی کرنے والے اُس صراطِ مستقیم کی طرف پلٹ آئیں جو انسان کی فطرت کا اصل راستہ ہے۔

میں ہمیشہ یہ بات کہتا رہا ہوں کہ اگر گمراہی پھیلانے والوں اور گمراہی کے علمبرداروں کے پاس دُنیوی ذرائع ۹۵ فیصد ہوں اور حق کے علمبرداروں کے پاس صرف ۵ فیصد، پھر بھی حق کے علمبردار محض اپنے نظریۂ حق کی صداقت اور اپنے اخلاق کی قوت کے بل پر ان کو شکست دے سکتے ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ تناسب ایک فیصد بھی رہ جائے تو انشاء اللہ اہلِ حق غالب ہوں گے بشرطیکہ اُن میں ایمان اور اخلاق کی زبردست طاقت موجود ہو اور وہ دلوں اور دماغوں کو جیت لینے والے ہتھیاروں سے مسلّح ہوں۔

عرب میں اسلامی انقلاب کیسے برپا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۲۳ سال کے اندر ایک قوم کی قوم کو بدل ڈالا، ایک پورے ملک کو مسخّر کر لیا جس کا رقبہ تقریباً ۱۰، ۱۲ لاکھ مربع میل تھا، اور لوگوں کی زندگیوں میں اتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا کہ جو ڈاکو تھے وہ امانت دار بن گئے، جو ظالم تھے وہ عادل بن گئے، جو خدا سے بے خوف تھے وہ متّقی بن گئے، اور جو خلقِ خدا کے لیے مصیبت تھے وہ رحمت بن گئے۔ یہ کس چیز کا نتیجہ تھا؟ یہ نتیجہ تھا صرف اِس چیز کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو دینِ حق کو ایسے مضبوط، ایسے پُرزور، اور ایسے دل لگتے دلائل کے ساتھ پیش کیا جن کے آگے باطل کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہی، جن کا راستہ جاہلانہ تعصبات نہ روک سکے، جن کا مقابلہ کسی ہٹ دھرمی اور ظلم و ستم سے نہ کیا جا سکا، جو دلوں کو مسخّر اور دماغوں کو فتح کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ شدید ترین مخالف بھی آخرکار ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ دوسری طرف آپ کی سیرت اِتنی پاکیزہ تھی، آپ کے اخلاق ایسے کریمانہ تھے، اور آپ کا کردار اِس قدر بلند و برتر تھا کہ اُس کی کشش لوگوں کو کھینچتی چلی گئی، اور پھر آپ کا طریقِ تربیت ایسا مؤثر تھا کہ جو لوگ بھی آپ کی طرف کھنچ کر آئے وہ مِسِ خام سے کُندن بنتے چلے گئے۔ درحقیقت یہی دو طاقتیں تھیں جن سے آپؐ نے پورے عرب کو فتح کر لیا اور اہلِ عرب کی زندگی میں اتنا بڑا انقلاب برپا کر کے دکھا دیا۔ اس انقلاب کو برپا کرنے میں تلوار کا حصہ اِتنا کم تھا کہ مُزاحم طاقتوں کا زور توڑنے میں جتنی لڑائیاں آپ کو لڑنی پڑیں ان میں شہید اور مقتول ہونے والے لوگوں کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ اسے بجا طور پر ایک غیر خونی انقلاب (BLOOD LESS REVOLUTION) کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ انقلاب ایسی حالت میں ہوا کہ

ابتدائی ۲۰ سال کے دوران میں دشمنوں کی مادّی طاقت حضورؐ کی مادی طاقت سے، اور دشمنوں کی تعداد آپ کے حامیوں کی تعداد سے بدرجہا زیادہ رہی۔

آج وہی انقلاب کیسے برپا کیا جاسکتا ہے

آپ اُس دعوتِ حق ہی کے تو وارث ہیں جسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پیش فرمایا تھا۔ وہ حق جس کی دعوت حضورؐ نے دی تھی آج جوں کا توں موجود ہے۔ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضورؐ کی سیرت و سنّت میں بھی موجود ہے۔ صحابۂ کرامؓ کے آثار میں بھی موجود ہے۔ اُس میں کسی باطل کی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ پھر جن دلائل کے ساتھ اُس کو پیش کیا گیا وہ بھی موجود ہیں اور اُتنے ہی مؤثر ہیں جتنے پہلے تھے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ پہلے آپ اُن کو خود اچھی طرح سمجھیں، پھر اُس زبان میں انہیں پیش کریں جو اس دَور کے لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہوں۔ آپ جو علوم بھی پڑھ رہے ہیں، ان میں گہری بصیرت پیدا کیجیے اور خدا کی دی ہوئی عقل و ذہانت سے کام لے کر حقائق (FACTS) کو نظریات (THEORIES) سے الگ چھانٹ کر دیکھیے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر حقیقت جو جدید سے جدید علمی تحقیقات کے نتیجے میں سامنے آرہی ہے وہ اسلام کے پیش کردہ حقائق کی صداقت کو اور بھی زیادہ مضبوط طریقے سے ثابت کر رہی ہے۔ اسی طرح انسانیات (HUMANITIES) اور اجتماعیات (SOCIAL SCIENCES) کا تنقیدی مطالعہ اگر آپ قرآن و سنت کی روشنی میں کریں تو نہایت قوی دلائل سے آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی رہنمائی ہی صحیح و برحق ہے۔ آپ دینِ حق کی تعلیم کو نگاہ میں رکھ کر مغربی تہذیب و تمدن کا جتنا عمیق اور وسیع مطالعہ کریں گے اُسی قدر مضبوط دلائل و شواہد سے ہر صاحبِ عقل کو مطمئن کر سکیں گے کہ زندگی کا وہ ہنجار سراسر غلط اور تباہ کن ہے جو اہلِ مغرب نے اختیار کیا ہے اور آدمی کی سلامتی اُسی طریقِ حیات میں ہے جو اسلام سکھا رہا ہے۔ آپ تحقیق اور محنت سے کام لیں تو ہر شعبۂ زندگی میں اسلام کی رہنمائی کا مفصل نقشہ مرتب کر سکتے ہیں جسے دیکھ کر ہر ذی فہم اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ اسلام کا نظامِ حیات اِس دَور کے تمام مسائل کو ہر دوسرے نظام سے بہتر طریقہ سے حل کرتا ہے۔ یہ طرزِ تبلیغ آپ اختیار کریں گے تو دنیا کے دماغ مسخر ہو جائیں گے اور دنیا یہ ماننے پر مجبور ہو جائے گی کہ حق یہی ہے، اور اس کے سوا کوئی اور حق نہیں ہے، اور اگر انسان کی بھلائی ہے تو اِسی حق کے اندر ہے۔

مغربی ممالک اور جاپان کا حال

اِس وقت امریکہ اور یورپ کی حالت یہ ہے کہ لوگ اپنے دین سے باغی ہو چکے ہیں۔ عام لوگ تو درکنار، ان کے مذہبی پیشوا تک اُن عقائد پر مطمئن نہیں رہے ہیں جو اُن کا چرچ انہیں سکھاتا ہے۔

کلیسا ویران ہو رہے ہیں۔ بے کار پڑے ہوئے کلیسا فروخت ہو رہے ہیں۔ جو پیشہ ور پادری اپنے رزق اور منصب کی خاطر وعظ کہتے ہیں ان کی اچھی خاصی تعداد امراضِ ذہنی کے ہسپتالوں میں پہنچ رہی ہے، کیونکہ جس چیز کی وہ لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں، اس پر خود ان کا ذہن مطمئن نہیں رہا ہے اور عقیدے اور عمل کا یہ مسلسل تصادم ان کا ذہنی توازن بگاڑے ڈال رہا ہے۔ اپنے دین سے برگشتہ ہونے والے لوگوں نے الحاد اور دہریت کی راہ اختیار کی اور شراب و شاہد میں غرق ہو کر دل کی تسلی حاصل کرنی چاہی، مگر اس سے کوئی تسلی انہیں حاصل نہ ہو سکی۔ اب ان میں ایک کثیر تعداد اپنی تہذیب اور اپنے معاشرے کی بساط اُلٹنے پر تُل گئی ہے، کیونکہ اس نے ان کو عیش کے سارے سامان تو دیے مگر اطمینانِ قلب کی دولت چھین لی۔ اس ہنگامے میں اُن کے سنجیدہ لوگ حق کی تلاش کے لیے ہر طرف نگاہیں دوڑا رہے ہیں، مگر صلیبی لڑائیوں کے زمانے سے اسلام اور قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو نفرت ان کے دلوں میں بٹھا دی گئی ہے اور جو اعتراضات عام طور پر پھیلا دیے گئے ہیں ان کی وجہ سے وہ ہر طرف بھٹکنے کے بعد بمشکل اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان رکاوٹوں کو اگر علم و حکمت سے کام لے کر دور کر دیا جائے اور مدلل طریقے سے اسلام ان کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ قومیں جو آج دنیا پر حکمرانی کر رہی ہیں، دلیل کی طاقت سے اُسی طرح مسخر کی جا سکتی ہیں جس طرح آغازِ اسلام میں عرب اور پھر روم و عجم مُسخر ہوئے تھے۔ ایسا ہی معاملہ جاپان کا ہے۔ جس بُت کے سہارے وہ کھڑا ہوا تھا، جنگِ عظیم دوم نے اُسے پاش پاش کر دیا۔ مسیحیت اُن کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے پورا زور لگا رہی ہے، مگر جو مسیحیت خود اپنے گھر میں شکست کھا چکی ہے، وہ جاپانیوں کے دل و دماغ کیسے جیت لے گی؟ خالص مادہ پرستی جس طرح اہلِ مغرب کو مطمئن نہ کر سکی، اسی طرح وہ مشرق کی اس سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم کو بھی مطمئن نہ کر سکے گی۔ اِس کے ساتھ جاپان کے معاملہ میں ایک سہولت یہ ہے کہ وہاں اسلام کے خلاف تعصب نہیں ہے۔ اس لیے دلیل کی طاقت سے اس کو مسخر کرنا زیادہ آسان ہے بشرطیکہ کچھ اللہ کے بندے ہمت کر کے اس کام پر کمر بستہ ہو جائیں۔

پاکستان کی اصلاح سب پر مقدم ہے یہ تو دوسرے ملکوں کا معاملہ ہے جہاں پیاسی زمین زبانِ حال سے اسلام کے بارانِ رحمت کو پکار رہی ہے۔ لیکن وہاں آپ کا کوئی کام اُس وقت تک مشکل ہی سے بار آور ہو سکتا ہے جب تک آپ کا اپنا ملک، جو اسلام کے نام پر بنا تھا، مغربی تہذیب کی گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں غرق ہو رہا ہے، اور یہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی سے منہ موڑ کر مارکس اور لینن اور

ماؤں سے ہدایت لینے کی باتیں کھلم کھلا ہو رہی ہیں۔ اس لیے سب سے مقدم یہ ہے کہ ان گمراہیوں اور بدراہیوں کو یہاں شکست فاش دے دی جائے۔ علم و استدلال کی طاقت سے آپ کو یہاں ہر باطل پرست کو اس طرح نیچا دکھانا چاہیے کہ وہ پھر کبھی سر اُٹھانے کے قابل نہ رہے۔ سوچنے اور سمجھنے والے دماغوں کو آپ مسخر کر لیں تو غنڈہ گردی اور برہنہ ظلم و جور کے بل پر کوئی بھی زیادہ دیر تک کھڑا نہ رہ سکے گا۔

کامیابی کا راستہ

حق و باطل کی اس کشمکش میں آپ کو دلیل کی طاقت کے ساتھ اخلاق کی طاقت سے بھی اُسی طرح کام لینا ہوگا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کام لیا تھا۔ آپ جس معاشرے میں رہتے ہیں اس کے اندر گالی، جھوٹ، بے ایمانی، ابلہ فریبی اور بے تحاشا ظلم کے ہتھیار اس کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں کہ ان کے مقابلے میں کوئی عام کارآدمی حق کا عَلَم لے کر اُٹھ نہیں سکتا، اور اُٹھ جائے تو کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اس کام کے لیے بڑی عالی ظرفی، کمال درجے کی شرافت، نہایت صبر و تحمل، بے لچک راستبازی اور عزم کی انتہائی پختگی درکار ہے۔ آپ گالی کا جواب کبھی گالی سے نہ دیں۔ جھوٹ کے جواب میں کبھی جھوٹ سے کام نہ لیں۔ میدان جیتنے کے لیے کبھی بددیانتی اور مکر و فریب کے ہتھیار استعمال نہ کریں۔ آپ کے مخالف خواہ کتنی ہی بداخلاقی سے آپ کے ساتھ پیش آئیں آپ کبھی ان کے مقابلے میں شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ آپ پر خواہ کتنا ہی ظلم کیا جائے، کوئی ظالم آپ کا سر جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آپ کے ضمیر کی خواہ کتنی ہی بڑی سے بڑی قیمت لگائی جائے وہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہ ہو سکے۔ آپ کا اخلاق اتنا بلند ہو، آپ کا کردار اتنا پاکیزہ ہو، آپ کا برتاؤ اس قدر شریفانہ ہو، اور خلقِ خدا کے ساتھ آپ کا رویہ ایسا ہمدردانہ اور محبت آمیز ہو کہ آپ کے گرد و پیش کا معاشرہ خود بخود آپ کی قدر کرنے لگے، آپ پر اعتماد کرنے لگے، اور یہ محسوس کرنے لگے کہ ایک سچا مسلمان کس قسم کا انسان ہوتا ہے۔ یہ اخلاقی طاقت ذرا اپنے اندر پیدا کر کے دیکھیے۔ تجربہ آپ کو خود بتا دے گا کہ مخالفوں کا زور کس طرح ٹوٹتا چلا جاتا ہے، دل اور دماغ کس طرح مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں، اور حق کی فتوحات کا دائرہ کس طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ ہیں وہ دو طاقتیں جن سے آپ اپنے ملک میں بھی اور ملک سے باہر بھی دَورِ نو کے چیلنج کا مقابلہ پوری کامیابی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ مگر جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، بیرونی دنیا میں آپ کی کامیابی کا انحصار بڑی حد تک اس امر پر ہے کہ آپ خود اپنے ملک کو ایک صحیح اسلامی مملکت بنائیں۔ اس لیے یہاں اسلامی انقلاب

لامحالہ دوسرے کام پر مقدم ہے اور یہ کام یہاں اِنہی دو طاقتوں سے ہو سکتا ہے خواہ آپ کی تعداد اِس ملک کی آبادی میں ایک فی ہزار بھی نہ ہو، بلکہ ایک فی لاکھ ہو۔ اسی طرح ذرائع و وسائل میں بھی اگر آپ کی طاقت آپ کے مخالفین کی طاقت سے کوئی نسبت نہ رکھتی ہو تو ہرگز نہ گھبرایئے۔ کچھ پروا نہ کیجیے کہ ریڈیو ان کے ہاتھ میں ہے، ٹیلیویژن ان کے ہاتھ میں ہے، سارے پریس پر وہ چھائے ہوئے ہیں، سارے ملک کی دولت ان کے تصرف میں ہے، رزق کے دروازوں پر ان کا تسلط ہے، قانون ان کے ہاتھ میں ہے، فوج اور پولیس اور جیل ان کے پاس ہے، اور ملک کی آبادی ان کے آگے بے بس ہو رہی ہے کیونکہ اُنہوں نے لوگوں کی آزاد مرضی سے نظامِ حکومت میں پُرامن تغیر آنے کے تمام امکانات ختم کر دیے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اُن کو شکست دے سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ اُن دو ہتھیاروں سے مسلّح ہوں جن سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تن تنہا اُٹھ کر سارے عرب کو مسخر کر لیا تھا اور اُمتِ مسلمہ کے اندر وہ طاقت بھر دی تھی کہ آپ کے بعد وہ چین کی سرحد سے مراکو اور اندلس تک دنیا کے بہت بڑے حصّے پر چھا گئی۔ یہ انقلاب کوئی اتفاقی امر نہ تھا کہ ایسا اتفاق (CHANCE) پھر کبھی پیش نہ آسکے۔ بلکہ جن وجوہ سے یہ پہلے ہوا تھا اُنہی وجوہ سے آج بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ قوانین اب بدل گئے ہوں جن کے مطابق قرنِ اوّل میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وہ زبردست کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اللہ کے قوانین جوں کے توں کارفرما ہیں، ان میں کوئی تغیّر نہیں ہوا ہے۔ صحیح علم و استدلال اور صالح اعمال کے جو اثرات قدیم زمانے میں ہوتے تھے وہی آج بھی لازماً ہوں گے، اور گمراہی و بدعملی کے جو فطری اثرات پہلے ہوتے تھے ان کو بھی آج رونما ہونے سے کوئی نہ روک سکے گا۔ پس آپ صبر و استقامت کے ساتھ مضبوط اور ناقابلِ تردید دلائل سے دماغوں کو فتح کرنے اور بے داغ کردار سے دلوں کو فتح کرنے کی کوشش کرتے چلے جایئے۔ انشاء اللہ بالکل ٹھیک قانونِ علّت و معلول کے مطابق نتیجہ آپ کے سامنے رونما ہوتا چلا جائے گا۔ جو آج آپ کے مخالف اور آپ کی راہ میں مزاحم ہیں وہ کل یا تو آپ کے حامی و مددگار ہو جائیں گے یا پھر حالات کا سیلاب انہیں کوڑے کرکٹ کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ جو زبانیں آپ کے خلاف قینچی کی طرح چلتی ہیں، وہ یا تو آپ کی حمایت میں چلیں گی یا پھر ان کی قوت گویائی سلب ہو جائے گی۔ جن آلاتِ نشر و اشاعت سے آج جھوٹ اور فحش پھیلایا جا رہا ہے انہیں استعمال کرنے والے ہاتھ سیدھی راہ پر آجائیں گے اور اُنہی سے حق کا آوازہ بلند ہونا شروع ہو جائے گا۔ آپ کو

(باقی بر صفحہ ۴۸)

(بقیہ دورِ نو کا چیلنج اور نوجوان)

بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور کالج خود قائم کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ کالج اور یونیورسٹیاں دوسرے قائم کریں گے اور ان کے اندر پڑھنے پڑھانے والوں کو آپ مُسخر کر کے اپنے کام میں لائیں گے۔ آپ کو سائنٹسٹ فراہم کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ جو سائنٹسٹ پہلے سے موجود ہیں، ان کے ذہن تبدیل کر دینے سے بنے بنائے سائنٹسٹ آپ کے ہاتھ آ جائیں گے۔ فنون کے ماہرین آپ کو تیار نہیں کرنے ہوں گے، ہر فن کے ماہر آپ کی تبلیغ سے تبدیل (CONVERT) ہو کر آپ کے لیے مفید انسانی سرمایہ بن جائیں گے۔ آپ بس تسخیرِ انسان کا وہ فن حاصل کر لیجیے جو قرآن مجید اور سیرتِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سکھایا ہے۔ اس کے بعد میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلامی انقلاب آ کر رہے گا، خواہ جلدی آئے یا دیر سے۔